ایم۔ ذوالفقار علی رانا

تنقید کا مفہوم

اور

زمانۂ جاہلیت میں عربی تنقید کی اہمیت

النقد اور انتقاد کے معنی دراصل سکّوں میں تمیز کرنا اور ان میں سے کھوٹے سکّوں کو الگ کرنا ہے[1]۔ لیکن پھر یہ لفظ ایک وسیع مفہوم میں استعمال ہونے لگا۔ بعض وقت اس کے معنی نکتہ چینی اور عیب جوئی کے ہوتے ہیں۔ علم ادب کے سلسلے میں نقد یا تنقید کا لفظ قدیم عربوں کے ہاں استعمال نہیں ہوتا تھا۔ اس لفظ کا ادب کے سلسلے میں استعمال غالباً تیسری صدی ہجری میں ہونے لگا حتیٰ کہ قدامہ بن جعفر نے جس کی وفات ۳۲۰ھ کے قریب ہوئی، فنِ بلاغت پر اپنی کتاب کا نام "نقد الشعر" رکھا۔ اس کے مفہوم میں کسی کلام (نثر یا نظم) کے محاسن اور معائب کا بیان کرنا پایا جاتا ہے۔ اب یہ لفظ عام طور پر عربی ادب میں استعمال ہوتا ہے۔ فارسی اور اردو والوں نے بھی اپنے اپنے ادب میں اس اصطلاح کو استعمال کیا ہے۔ ادب کے سلسلے میں اس سے صرف عیب چینی یا معائب بیان کرنا نہیں بلکہ معائب کے علاوہ کسی کلام کی خوبیاں بھی اس میں شامل ہیں۔ انگریزی میں اس کے لیے criticism کا لفظ مستعمل ہے اور یہ اپنے اندر ایک مفہوم رکھتا ہے۔

اصولِ تنقید

دراصل تنقید ایک نہایت مشکل فن ہے اور نقادین میں دو قسم کی خصوصیات کا ہونا ضروری ہے، جن میں سے بعض نفسی یا داخلی ہیں اور دو واقعی یا خارجی ہیں۔ نفسی یا داخلی خصوصیات میں سے اہم مندرجہ ذیل ہیں:

۱۔ تنقید کرنے والے کی نظر اور معلومات میں وسعت ہونی چاہیے اور ضروری ہے کہ زمانۂ

---

[1] ابن منظور: لسان العرب ۳ ، ۴۲۵

جاہلیت اور اسلامی زمانے کے مشہور شعرا کا کلام اس نے مطالعہ کیا ہو۔

۲ ۔ عربی صرف و نحو کے مختلف قاعدوں اور کوفہ اور بصرہ کے نحویوں کے اختلافات سے پوری طرح واقف ہو۔

۳ ۔ علمِ بلاغت کی مختلف شاخوں یعنی علم بیان، علم معانی اور علم بدیع میں پوری مہارت ہو اور یہ خصوصیت، تنقید کی اصل جڑ ہے۔

۴۔ ناقد کے لیے ضروری ہے کہ وہ بے جا تعصب سے کام نہ لے اور کسی کی عام شہرت یا گم نامی کی بنا پر کوئی رائے زنی نہ کرے۔ چنانچہ ابنِ قتیبہ نے اپنی کتاب "الشعر والشعراء" کے مقدمے میں اس اصول کا ذکر کیا ہے کہ بعض لوگ ایک ردی شعر کو اعلیٰ شعر کہہ دیتے ہیں کیوں کہ اس شعر کو کہنے والا قدیم زمانے کا شخص تھا اور بعض ایک نہایت عمدہ شعر کو حقیر خیال کرتے ہیں اور وہ صرف اس لیے کہ اس شعر کا کہنے والا قریب زمانے میں ہوا ہے یا تنقید کرنے والے کا ہم عصر ہے، اس لیے متقدم یا متاخر کی برتری یا رذالت کا خیال دماغ سے بالکل نکال دینا چاہیے۔ کیوں کہ اللہ تعالیٰ نے عقل، ذہانت، علم اور فصاحت و بلاغت کو کسی زمانے یا کسی قوم یا جگہ کے ساتھ خاص نہیں کیا۔ اسی لیے عربی میں کہا جاتا ہے: "انظر الی ما قال ولا تنظر الی من قال"۔

۵ ۔ ناقد کو چاہیے کہ تنقید کرتے وقت مندرجہ بالا تمام امور کو مدِ نظر رکھے ورنہ اس کی تنقید صحیح نہیں ہوگی۔

واقعی یا خارجی خصوصیات کی تفصیل مندرجہ ذیل ہے۔

۱ ۔ ناقد کے لیے ضروری ہے کہ جس شاعر یا کاتب کے کلام پر تنقید کرنی مقصود ہو، اس کی زندگی کے حالات کا مطالعہ کرے اور کوشش کرے کہ وہ اسی ادیب یا شاعر کی نظر سے مختلف اشیا کو دیکھے۔ اگر کوئی خیال ناقد کے نظریے یا عقیدے کے خلاف ہو تو اس پر ناک بھوں نہ چڑھائے، مثلاً بعض لوگوں نے کعب بن زہیر کے اس مطلع کو پسند نہیں کیا۔

بانت سعاد فقلبی الیوم متبول　　　متیّم اثرها لم یفد مکبول

(سعاد چلی گئی آج میرا دل غمگین اور شیفتہ ہے، اس کے بعد اور وہ قیدی ہے جس کا فدیہ نہیں دیا گیا)

اس پر یہ اعتراض کیا گیا ہے کہ یہ قصیدہ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے حضور پڑھا گیا تھا، اس لیے

ادب کا تقاضا یہ تھا کہ اسے نسیب سے شروع نہ کیا جاتا، لیکن یہ اعتراض صحیح نہیں کیوں کہ قصیدے کو غزل کے اشعار سے شروع کرنا عرب معاشرے میں پسندیدہ فعل تھا اور اس وقت اس چیز کو کوئی بھی بُرا نہیں مانتا تھا۔ اسی طرح ابن دمینہ کے اس شعر کو پسند نہیں کیا جاتا۔

ولو أنّنی استغفر اللّٰہ کلّما ذکرتك لم تكتب عليّ ذنوبُ

(اگر میں اتنی اللہ سے گناہ کی معافی مانگتا جتنا کہ میں تجھے یاد کرتا ہوں تو میرے نام کوئی گناہ نہ لکھے جاتے)

اس شعر کو اچھا نہ سمجھنے کی وجہ یہ بتائی جاتی ہے کہ اس پر دینی رنگ کا غلبہ ہے لیکن اس شعر میں نہایت اچھا خیال ظاہر کیا گیا ہے اور ناقد کو یہ سمجھ لینا چاہیے کہ یہ اس زمانے کا ہے جب دینی علما تنگ خیال اور متعصب نہیں تھے۔ مطلب یہ ہے کہ ناقد کے لیے شاعر کے ماحول اور اس زمانے کی روایات کو مدنظر رکھنا ضروری ہے۔

۲۔ اگر کسی شاعر کے کلام میں بعض بدوی اور غیر تمدنی امور کا ذکر ہو اور دوسرے شاعر کے کلام میں حضری یا تمدنی زندگی کے اوصاف بیان کیے گئے ہوں تو ناقد کو نہیں چاہیے کہ وہ حضری خصوصیات والے شاعر کو صرف اس لیے فضیلت دے کہ اس میں متمدن اور مہذب معاشرے کی باتیں بیان کی گئی ہیں۔

۳۔ شعر کے الفاظ، معنی، وزن اور قافیہ وغیرہ امور پر بھی اچھی طرح نظر رکھنی ضروری ہے۔ الفاظ کے لیے ضروری ہے کہ وہ فصاحت کے درجے سے گرے ہوئے نہ ہوں۔ کلام کی ترکیب میں باہم مناسب الفاظ کا استعمال قابلِ تعریف ہوگا۔ یہ بھی دیکھنا چاہیے کہ شعر کے موضوع سے صرف مناسبت رکھنے والے الفاظ استعمال کیے جائیں مثلاً مدح، ہجو، مرثیہ، غزل، جنگلی واقعات کا بیان اور حماسہ وغیرہ کے موضوعات کے لیے الگ الگ الفاظ کا استعمال ضروری ہے۔ الفاظ کا خیالات کے ساتھ مطابقت رکھنا نہایت ضروری ہے۔ علم معانی اور بیان کی خوبیوں سے شعر کی شان بڑھ جاتی ہے۔ تشبیہ اور استعارے میں جدت ہونی چاہیے۔ لفظی صنعتوں کا خیال رکھنا، خواہ خیال کچھ کا کچھ ہو جائے قابلِ تعریف نہیں ہے۔ زیادہ ثقیل اور غریب الفاظ کا استعمال شعر کو بلاغت کے درجے سے گرا دیتا ہے۔

معنی کے لحاظ سے شعر کے اندر تعقید نہیں ہونی چاہیے بلکہ شعر میں ایسا خیال باندھنا چاہیے جو تھوڑی فکر کے بعد ذہن میں آ جائے۔ نہ یہ کہ شعر ایک چیستان یا معمّا بن جائے۔ خیالات کا اچھوتا پن یا پرانے خیال کو نئے انداز میں پیش کرنا بہرصورت قابلِ تعریف ہے۔

شعر کے وزن کے متعلق یہ بات مدنظر رکھنی چاہیے کہ بعض بحریں بعض خاص قسم کے مضامین کے لیے موزوں ہوتی ہیں۔ اس لیے شعر کے موضوع کے مطابق مناسب بحر کا انتخاب نہایت ضروری ہے بعض بحروں کی نسبت روانی اور ترنم زیادہ پایا جاتا ہے۔ مثلاً بحرِ منسرح، مقتضب اور مجتث وغیرہ چنداں مانوس بحریں نہیں۔ ان میں جو شعر کہا جائے اس کی دل کشی میں فرق آجائے گا۔

قافیہ کے سلسلے میں عیوبِ قوافی بالخصوص ان عیوب سے جو عیبِ فاحش کہلاتے ہیں، پرہیز ضروری ہے۔ اگر قافیہ کے ساتھ ردیف کا بھی اضافہ ہو سکے تو شعر زیادہ دل کش ہو جاتا ہے۔ ابنِ قدامہ نے لفظ وزن، قافیہ اور معنی کو باہم ترکیب دے کر شعر کے لیے چار قسمیں معین کی ہیں، جو یہ ہیں: (۱) لفظ اور معنی میں مناسبت (۲) لفظ اور وزن میں مناسبت (۳) معنی اور وزن میں مناسبت (۴) معنی اور قافیہ میں مناسبت۔

ان قسموں کے بیان کے بعد ابن قدامہ نے ان کی مثالیں دے کر متعلقہ اشعار پر رائے زنی کی ہے۔

زمانۂ جاہلیت میں عربی تنقید کی اہمیت

یہ بات انسانی فطرت میں ودیعت کی گئی ہے کہ وہ اچھے برے اور کھوٹے کھرے کی تمیز کرنے کی طرف مائل ہو۔ علم ادب میں خواہ نثر ہو یا نظم یہی اصول کارفرما ہے۔ ایک ہی بات کو کہنے کے کئی طریقے ہوتے ہیں۔ ان مختلف طریقوں کے اچھا یا برا ہونے کے مدارج بھی مختلف ہوتے ہیں۔ دو کلاموں کے درمیان موازنہ کرنے سے ایک کا دوسرے پر افضل ہونا معلوم ہو سکتا ہے۔ اسی کا نام ادب میں النقد یا التنقید ہے۔ اہلِ یونان قدیم ترین لوگ ہیں، جنھوں نے تنقید کے اصول اور قواعد وضع کیے شروع میں ان کی تنقید بالکل سادہ ہوتی تھی۔ رفتہ رفتہ اس میں تبدیلیاں آتی گئیں، حتیٰ کہ ارسطو کے زمانے میں تنقید باقاعدہ ایک فن کی صورت اختیار کر گئی۔ یونانیوں کے ہاں تنقید کا آغاز سلبی انداز سے ہوا اور ایجابی انداز آہستہ آہستہ وجود میں آیا —— عربی ادب میں بھی تنقید کے ارتقا کا یہی حال ہے۔ شعر و شاعری عربوں میں قدیم زمانے سے رائج تھی۔ اس لیے تنقید بھی اس کے ساتھ ساتھ رائج رہی۔ چناں چہ زمانۂ جاہلیت میں نابغہ ذبیانی کے متعلق روایت ہے کہ لوگ اپنے اشعار اس کے سامنے پیش کرتے اور وہ ان کے اچھا یا برا ہونے فیصلہ کیا کرتا تھا۔ کیوں کہ ان کے خیال میں نابغہ شعر کے وزن کو اچھی طرح سمجھتا تھا۔ عربوں کے ہاں تنقید کے لیے کوئی معین اور متفق علیہ اصول نہیں تھا بلکہ کسی شعر کے اچھا

یا بڑا ہونے کا معیار یہی تھا کہ وہ سننے والے پر کس حد تک اثر کرتا ہے اور اس میں لفظ اور معنی دونوں کا خیال رکھا جاتا تھا۔ جاہلیت میں قبائلی تعصب، عربوں کے میلے اور بادشاہوں اور امرا کے درباروں میں شعرخوانی چند ایسے امور تھے جن کی وجہ سے شاعر معاشرے میں ایک بلند مقام حاصل کر لیتا تھا۔ شعرا میں باہمی مقابلے اور ایک دوسرے سے آگے بڑھنے کی دھن کا وجود بھی پایا جاتا تھا اور شاعروں کے موافق یا مخالف مختلف رائیں دی جاتی تھیں۔ اس طرح شاعر کے ذہن میں اپنے ہم چشم شعرا سے آگے بڑھنے کا جذبہ موجود رہتا تھا۔ اہلِ عرب کا شعر کے ساتھ ذوق فطری چیز تھی اور وہ کوئی شعر سُن کر قیاس کر لیتے تھے کہ یہ کس کا شعر ہے۔ عربوں میں قوتِ حافظہ، ذہانت اور فراست کے اوصاف بھی پائے جاتے تھے لیکن یہ چوں کہ ان کے ہاں لکھنے پڑھنے کا رواج کم تھا، اس لیے ان کے اشعار یا ان پر لوگوں کی آرا تحریر میں نہ لائی جا سکیں۔ البتہ بعض فصیح و بلیغ خطیبوں کے اچھے اچھے جملے اور عمدہ اشعار ان کے ذہن میں محفوظ تھے۔ ابو عمرو بن العلا کا قول ہے کہ عربوں نے جو کچھ کہا ہے اس کا اکثر حصہ ہم تک نہیں پہنچا بلکہ بہت تھوڑی مقدار ہمارے سامنے موجود ہے۔ مطلب یہ ہے کہ زمانۂ جاہلیت میں عربوں کی تنقیدی آرا ہم تک محفوظ طریقے سے نہیں پہنچ سکیں۔ یہی وجہ ہے کہ بعض شعرا کے قصائد میں کمی بیشی کے علاوہ بعض قصیدے غلط شاعروں کی طرف منسوب ہو گئے ہیں۔

صدرِ اسلام میں عربی تنقید

اسلام کے ابتدائی زمانے میں بھی تنقیدِ شعر رائج تھی۔ چنانچہ مدینہ منورہ میں حضرت سکینہ بنت حسین کے ہاں شعر و شاعری کی مجالس منعقد ہوا کرتی تھیں اور ان میں شاعروں کے کلام پر ادبی تنقید کی جاتی تھی۔ اس کے علاوہ جہاں کہیں بھی ادیب لوگ جمع ہوتے مختلف شاعروں کے اشعار پر رائے زنی کرتے۔ بنوامیہ کے زمانے میں بھی ایک شاعر کی دوسرے پر فضیلت ہونے کے بارے میں رائے زنی کی جاتی تھی۔ کتبِ ادب میں بتایا گیا ہے کہ زمانہ جاہلیت کے شعرا میں امرؤ القیس، نابغہ، زہیر اور اعشیٰ کے بارے ہیں اختلاف تھا کہ ان میں سے بہترین شاعر کون ہے۔ اسی طرح بنوامیہ کے زمانے میں جریر، فرزدق اور اخطل کے بارے میں بھی اختلاف تھا۔ پھر عباسی دور میں ابونواس، ابوالعتاہیہ، ابن المعتز، ابن الرومی، مسلم بن ولید، ابوتمام اور البحتری وغیرہ کے متعلق بھی اختلاف رائے پایا جاتا تھا۔ ...می نے اپنی کتاب کے مقدمے میں اموی شاعری کے متعلق بعض تنقیدی جملے لکھے ہیں۔ اس کے ...ر عباسی دور میں ابنِ قتیبہ تنقید کے لیے بالخصوص قابلِ ذکر ہے۔ علاوہ ازیں جاحظ اور ابن عبدربہ

کی کتابوں میں بھی کچھ نہ کچھ تنقیدی مواد موجود ہے۔ ان کے بعد قدامہ بن جعفر نے تنقید کے فن پر نقد الشعر کے نام سے ایک خاص کتاب لکھی جو شروع سے آخر تک تنقید ہی پر مشتمل ہے۔ یہ اس فن کی پہلی کتاب ہے۔ قدامہ کے بعد آمدی نے ابو تمام اور بحتری کا موازنہ لکھا جو اگرچہ دو خاص شاعروں کے درمیان مقابلے پر مشتمل ہے لیکن اس میں تنقید کے بعض عام اصول بھی پائے جاتے ہیں۔ اسی طرح علی بن عبدالعزیز جرجانی نے ایک کتاب لکھی جس میں متنبی کی حمایت کی۔ اس کتاب میں بھی تنقید کے متعلق عام بحثیں پائی جاتی ہیں۔ ابو العلا المعری کے رسالہ الغفران میں بھی تنقیدی مواد مل سکتا ہے۔

تاریخِ تنقید

عربی تنقید کی تاریخ لکھنے والوں نے محمد بن سلاّم الجمحی کے متعلق لکھا ہے کہ وہ پہلا شخص ہے جس نے اس سلسلے میں قدم اٹھایا۔ اس نے شعرا کو زمان اور مکان کے لحاظ سے مختلف طبقوں میں تقسیم کیا اور ان کے کلام پر تنقید کی۔ اس کی کتاب طبقات فحول الشعرا اب بھی ہمارے سامنے موجود ہے۔ اس سے پہلے عربی تنقید صرف زبانی نقل و روایت تک محدود تھی۔ اسی لیے تنقید کی تاریخ لکھنے والوں نے ان زبانی روایات کو نظر انداز کر کے الجمحی کو تاریخ تنقید کا بانی قرار دیا ہے۔ تاہم سبع معلقات کا وجود اس بات کی دلیل ہے کہ تنقید کے جراثیم زمانۂ جاہلیت میں بھی پلے جاتے تھے، لیکن جیسا کہ بیان ہو چکا ہے وہ ایک سلبی انداز اور اختصار کا پہلو مدِنظر رکھتے تھے۔ وہ اپنے اشعار بلند آواز سے گا کر پڑھا کرتے تھے، جس سے شعر کی سُر اور وزن کے درست یا غلط ہونے کا اندازہ ہو سکتا تھا۔

مندرجہ بالا تنقیدی مواد میں قدامہ بن جعفر کی کتاب فن کے لحاظ سے نہایت ممتاز ہے، لیکن اس کو تنقید پر حرفِ آخر نہیں کہا جا سکتا۔ البتہ عباسی دور کے آخر میں ابن رشیق نے کتاب العمدہ لکھ کر ایک نہایت اچھا ذخیرہ اس فن پر مہیا کیا۔ اس کتاب میں اس نے اپنے سے پہلے تمام تنقیدی مواد کو چھان پھٹک کر جمع کر دیا اور اپنی طرف سے بھی کئی ایک اصول کا اضافہ کیا۔ ابنِ رشیق کے ایک ہم عصر ادیب اور شاعر محمد بن ابی سعید ابن شرف القیروانی نے العمدہ کے مقابلے میں رسائل الانتقاد لکھے، جس میں نہ صرف زمانۂ جاہلیت بلکہ بعد کے شعرا پر بھی تنقید کی۔

تاہم العمدہ کے مقابلے میں اس کتاب کا درجہ کم ہے۔

یہ تو تھیں خاص فنی کتابیں، ان کے علاوہ موجودہ دور میں بھی بعض اچھی اچھی کتابیں فن تنقید پر شائع ہوئیں۔

چناں چہ جرجی زیدان کی کتاب تاریخ آداب اللغۃ العربیۃ میں جا بجا تنقیدی مواد ملتا ہے۔ ابن المعتز کے طبقات الشعر میں بھی بعض مقامات پر تنقیدی آرا پائی جاتی ہیں۔ محمد بن احمد بن طباطبا العلوی کی کتاب عیار الشعر بھی خاص اس فن پر لکھی گئی ہے۔ اسی طرح اسامہ بن منقذ کی کتاب البدیع فی نقد الشعر بھی اس فن پر اہم کتاب ہے۔ متأخرین میں شوقی ضیف کی کتاب الفن ومذاہبہ فی الشعر العربی اور دوسری کتاب فی النقد العربی، سید قطب کی کتاب النقد الادبی اور الدکتور محمد مندور کی کتاب النقد المنہجی عند العرب، عبدالعظیم قناوی کی کتاب الوصف فی الشعر العربی، ڈاکٹر زکی مبارک کی کتاب الموازنہ بین الشعراء وغیرہ نہایت اہم کتابیں ہیں۔

اسلام اور عدل و احسان

مولانا رئیس احمد جعفری

اسلام کے دشمنوں نے بھی باور کرایا اور ناواقف احوال مسلمانوں نے بھی سمجھا ہے کہ اسلام تشدد کا مذہب ہے، اسلام کا خدا جبار و قہار ہے۔ اسلام کے عبادات، معتقدات اور معمولات یکسر "عسر یعنی سختی" پر مبنی ہیں۔ اس تاریخی غلط بیانی کی تردید تاریخی شواہد اور قرآن و حدیث کی روشنی میں بڑے عمدہ پیرایہ میں کی گئی ہے اور ثابت کیا گیا ہے کہ اسلام رحم، عدل، احسان اور محبت کے سوا کچھ نہیں ہے۔ اس کا خدا رحمان و رحیم بھی ہے، غفار و تواب بھی ہے۔ ان حقائق کا ایک مرتبہ مطالعہ کر لینے کے بعد وہ تمام غلط فہمیاں دور ہو جاتی ہیں جو اسلام کے دشمنوں یا دوست نما دشمنوں نے اس کے بارے میں پھیلائی ہیں۔ کتاب میں کوئی دعویٰ بھی بغیر سند اور حوالے کے نہیں کیا گیا۔ صفحات ۳۹۱ قیمت ۲۵ روپیے

ملنے کا پتا: ادارۂ ثقافت اسلامیہ، کلب روڈ، لاہور